شمارہ نمبر ۳

اکتوبر، نومبر ۲۰۱۷ء

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقاً

- امام ابوحنیفہؒ امام ابن معینؒ کے نزدیک ثقہ ہیں زبیر علی زئی کے اعتراضات کا جواب
- وضو کے اختلافی مسائل پر تحقیقی مضامین
- امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے۔
- امام ابراہیم نخعیؒ کی مرسل روایت جمہور کے نزدیک صحیح اور حجت ہے

ALIJMA
FOUNDATION

ناشر: الاجماع فاؤنڈیشن

۴- عدم وجوب غسل اليدين والمضمضة والاستنشاق في الوضوء

مفتی ابن اسماعیل المدنی

رئیس احمد ندوی صاحب اپنی کتاب **رسول اللہ ﷺ کا صحیح طریقہ نماز: صفحہ ۸۷** پر لکھتے ہیں کہ وضوء میں سب سے پہلے ہاتھ دھونا فرض ہے۔ اور دلیل میں رئیس صاحب نے ان روایات کو پیش کیا ہے، جن میں نبی ﷺ نے ہاتھ دھونے اور کلّی کرنے و ناک میں پانی ڈالنے کا حکم دیا ہے۔

الجواب:

وضو کے شروع میں ہاتھوں کے دھونے کو فرض کہنا مردود ہے۔ کیوں کہ خود غیر مقلدین کا اصول ہے کہ حدیث خود حدیث کی وضاحت کرتی ہے۔ چنانچہ، علی زئی صاحب لکھتے ہیں کہ حدیث، حدیث کی شرح و تفسیر بیان کرتی ہے۔ (**مقالات: جلد ۱: صفحہ ۲۴۳**) اور یہی اصول ابو صہیب داؤد ارشد صاحب نے بھی **دین الحق: جلد ۱: صفحہ ۳۲۱** پر بتایا ہے۔

لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ خود آپ کے اصول کی روشنی میں اس حدیث کی وضاحت دوسری حدیث کر رہی ہے کہ رئیس صاحب کی پیش کردہ روایت میں جو امر ہے، وہ استحباب کے معنی میں ہے اور اہل حدیث خود بھی تسلیم کرتے ہیں کہ امر استحباب کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ **دیکھئے: فتاویٰ اہل حدیث: جلد ۲: صفحہ ۲۵۔**

رفاعہ بن رافعؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک اعرابی صحابی سے فرمایا کہ: "توضأ كما أمرك الله جل وعز" وضو کرو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے وضو کا حکم دیا ہے۔ (**سنن ترمذی: حدیث نمبر ۳۰۲**، امام ترمذیؒ نے حسن اور امام ابن خزیمہؒ اور امام نوویؒ نے صحیح کہا ہے، **صحیح ابن خزیمہ: حدیث ۵۴۵، المجموع: جلد ۱: صفحہ ۳۵۳**)

ایک روایت میں موجود ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ **"إنها لا تتم صلاة أحدكم حتى يسبغ الوضوء كما أمره الله عز وجل، فيغسل وجهه ويديه إلى المرفقين، ويمسح برأسه ورجليه إلى الكعبين"** کسی کی نماز اس وقت تک پوری نہیں ہوتی، جب تک وہ اچھی طرح وضو نہ کرے، جیسا کہ اللہ نے وضو کا حکم دیا ہے۔ اپنے چہرے کو دھوئے، دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھوئے، اپنے سر کا مسح کرے اور دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھوئے۔ (**ابو داؤد: حدیث نمبر ۸۵۸**، اس کی تصحیح کی لئے دیکھئے **صفحہ: ۱**)

اب یہ حدیث وضاحت کر رہی ہے کہ نماز اسی وقت مکمل ہو گی، جب بندہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق وضو کرے گا اور پھر حدیث ہی میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ۳ اعضاء کو دھونے کا اور ایک پر مسح کرنے کا حکم دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ان چار چیزوں سے وضو ہو جاتا ہے، باقی تمام چیزیں سنت اور مستحب ہیں۔

لہٰذا یہ حدیث وضاحت کر رہی ہے کہ رئیس صاحب کی پیش کردہ روایت میں امر استحباب کے معنیٰ میں ہے، امر کا استحباب کے معنیٰ میں آنے کا اقرار اہل حدیث علماء کر چکے ہیں۔ نیز اسی حدیث کے تحت

(۱) امام ابو اسحٰق ابراہیم بن علی الشیرازیؒ (م ۴۷۶ھ) فرماتے ہیں کہ: "**فإن ترک المضمضة والاستنشاق جائز لقوله ﷺ للأعرابی: توضأ کما أمرک الله ولیس فیما أمر الله تعالیٰ المضمضة ولا استنشاق**" کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کا ترک جائز ہے اس لئے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ایک دیہاتی صحابی سے ارشاد فرمایا تھا: اس طرح وضو کرو جس طرح اللہ نے آپ کو وضو کرنے کا حکم دیا ہے، اور جن چیزوں کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ان میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا نہیں ہے۔ **(المهذب للشیرازی: صفحہ ۳۸)**

(۲) امام ابو الحسین یحیٰ بن ابی الخیر العمرانیؒ (م ۵۵۸ھ) فرماتے ہیں کہ: "**وروي: أن النبی ﷺ قال للأعرابی "توضأ کما أمرک الله". ولیس فیما أمره الله: المضمضة والاستنشاق**" روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ایک دیہاتی صحابی سے ارشاد فرمایا تھا: اس طرح وضو کرو جس طرح اللہ نے آپ کو وضو کرنے کا حکم دیا ہے، اور جن چیزوں کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ان میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا نہیں ہے۔ **(البیان فی مذہب للعمرانی: جلد ۱: صفحہ ۱۱۳)**

(۳) امام نوویؒ (م ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں کہ: "**قال ﷺ توضأ کما أمرک الله ولم یذکر له سنن الصلاة والوضوء لئلا یکثر علیه فلا یضبطها فلو کانت المضمضة والإستنشاق واجبتین لعلّمه إیاهما فإنه مما یخفیٰ لا سیّما فی حق هذا الرجل خفیت علیه الصلاة التی تشاهد فکیف الوضوء الذی یخفیٰ**" نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس طرح وضو کرو جس طرح اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے، اور ان کے سامنے وضو اور نماز کی سنتوں کو ذکر نہیں کیا، کہیں زیادہ ہو جانے کی وجہ سے وہ ان کو ٹھیک سے یاد نہ رکھ پائیں، تو اگر کلی اور ناک میں پانی ڈالنا واجب ہوتا تو نبی کریم ﷺ انہیں ضرور سکھاتے، خاص کر کے اس شخص کو، اس لئے کہ نماز کا تو (مسجد وغیرہ میں) مشاہدہ ہوتا ہے، جبکہ وضو (گھر میں کئے جانے کی وجہ سے) مخفی رہتا ہے۔ **(المجموع للنووی: جلد ۱: صفحہ ۳۶۴-۳۶۵)** **میں (ابن اسماعیل) کہتا ہوں کہ ان حدیثوں میں ہاتھ دھونے کا (بھی) ذکر نہیں ہے، لہٰذا اس کے بغیر بھی وضو ہو جاتا ہے۔**

اور پھر قرآن میں اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں: کہ "**یٰأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَی الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَکُمْ وَأَیْدِیَکُمْ إِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِکُمْ وَأَرْجُلَکُمْ إِلَی الْکَعْبَیْنِ**"۔ **(سورۃ المائدۃ: ۶)**

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم نماز کیلئے اٹھو تو اپنے چہرے، اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھولو، اور اپنے سروں کا مسح کرو، اور اپنے پاؤں (بھی) ٹخنوں تک (دھولیا کرو)۔ **(آسان ترجمہ قرآن، مفتی تقی عثمانی صاحب)**

اس کے ذیل میں

(۴) امام ماوردیؒ **(م ۴۵۰ھ)** فرماتے ہیں کہ: **"دَلِيلُنَا قَوْلُهُ تَعَالَى: {إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ}، وَقَوْلُهُ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم- لِلأعرابي: "تَوَضَّأْ كَمَا أَمَرَكَ اللّٰهُ اغْسِلْ وَجْهَكَ وَذِرَاعَيْكَ"، فَلَمْ يُقَدِّمْ فِي الْآيَةِ"** (عدم وجوب غسل الیدین فی ابتداء الوضو کے سلسلہ میں) ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب تم نماز کیلئے کھڑے ہو، تو اپنے چہرے کو دھولو اور نبی ﷺ کا ایک اعرابی کو ارشاد کہ تم وضو کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو حکم دیا، اور اپنے چہرہ اور ہاتھوں کو دھوو، یہ حدیث بھی آیت کے آگے نہیں بڑھی۔ **(الحاوی الکبیر: جلد ۱: صفحہ ۱۰۲)** یعنی امام ماوردیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت اور حدیث (دونوں) میں بھی ہاتھ دھونے کا ذکر نہیں ہے۔

اگر رئیس صاحب کی بات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے کہ وضو میں ہاتھ دھونا اور کلّی کرنا فرض ہیں، تو امام ابو الحسین یحییٰ بن ابی الخیر العمرانیؒ (م ۵۵۸ھ) فرماتے ہیں کہ **"دليلنا: قَوْلُهُ تَعَالَى: {إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ} فمن قال: يجب غسل اليدين قبل الوجه.. فقد خالف ظاهر القرآن"** ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی ہے کہ: جب تم نماز کیلئے کھڑے ہو تو اپنے چہرہ کو دھوؤ، پس جو یہ کہے کہ ہاتھوں کا چہرہ سے پہلے دھونا واجب ہے، اس نے قرآن کے ظاہر کی مخالفت کی۔ **(البیان فی المذهب للعمرانی: جلد ۱: صفحہ ۱۱۰)**

قرآن کے خلاف کیسے ہے، امام ابو بکر جصاص الرازیؒ اس کی وضاحت فرماتے ہیں کہ: **"كان زيادة في النص"** نص قرآنی پر اضافہ ہو گا۔ **(شرح مختصر الطحاوی للجصاص: جلد ۱: صفحہ ۳۳۸)** نص میں زیادتی کی تصریح، امام ماوردیؒ نے کی ہے کہ (قرآن پاک کی آیت میں) ہاتھ دھونے کا ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح اس آیت میں کلّی اور ناک میں پانی ڈالنے کا بھی ذکر نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں صرف ۴ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے:

۱۔ چہرہ دھونا۔

۲۔ ہاتھوں اور

۳۔ پاؤں کا دھونا۔

۴۔ مسح کرنا۔

ان کے علاوہ کوئی پانچویں چیز بھی فرض ہوتی، تو اس کا ذکر ضرور بضرور قرآن میں ہوتا، لیکن اس کا ذکر نہ ہونا خود اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے علاوہ باقی تمام وضو کے ارکان سنت و مستحب ہیں۔

نیز، سلف وصالحین کے نزدیک بھی وضو میں ہاتھ دھونا اور ناک میں پانی ڈالنا واجب نہیں۔

چنانچہ، امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ)، امام عبد اللہ بن ابی زیدؒ (م ۳۸۶ھ)، امام ابو عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ)، امام کرخیؒ (م ۳۴۰ھ)، امام ابو محمد عبد الوھاب الصلابیؒ (م ۴۲۲ھ)، امام مزنیؒ (م ۲۶۴ھ)، امام ماوردیؒ (م ۴۵۰ھ)، امام ابو الحسن احمد بن محمد ابن المحاملیؒ (م ۴۱۵ھ)، امام ابو اسحٰق ابراہیم بن علی الشیرازیؒ (م ۴۷۶ھ)، امام الحرمین عبد الملک بن عبد اللہؒ (م ۴۷۸ھ)، امام غزالیؒ (م ۵۰۵ھ)، امام فخر الاسلام ابو بکر الشاشیؒ (م ۵۰۷ھ)، امام ابو الحسین یحییٰ بن ابی الخیرؒ (م ۵۵۸ھ)، امام رافعیؒ (م ۶۲۳ھ)، امام ابن الحاجبؒ (م ۶۴۶ھ)، امام نوویؒ (م ۶۷۶ھ)، علامہ شہاب الدین احمد ادریس القرافیؒ (م ۶۸۴ھ)، امام ابن الملقنؒ (م ۸۰۴ھ)، امام تقی الدین ابو بکر بن محمد الحسینیؒ (م ۸۲۹ھ) وغیرہ سلف صالحین نے وضو میں ہاتھ دھونے اور کلّی اور ناک میں پانی ڈالنے کو سنت و مستحب قرار دیا ہے۔ **(کتاب الام: جلد ۱: صفحہ ۳۹، الرسالۃ: صفحہ ۱۴، ۱۵، الکافی للابن عبد البر: جلد ۱: صفحہ ۱۶۶، ۱۷۰، مختصر الکرخی: صفحہ ۱۲، التلقین للا صلابی: جلد ۱ : صفحہ ۱۷، مختصر المزنی: صفحہ ۹۴، الاقناع للماوردی: صفحہ ۲۳، اللباب للمحاملی: صفحہ ۶۰، المھذب: صفحہ ۴۴، نہایۃ المطلب: جلد ۱: صفحہ ۶۶، ۶۴، الوسیط للغزالی: جلد ۱: صفحہ ۲۸۱، ۲۸۲، حلیۃ العلماء: جلد ۱: صفحہ ۱۱۶، ۱۱۵، بیان المذھب: جلد ۱: صفحہ ۱۰۹، ۱۱۱، الشرح الکبیر للرافعی: جلد ۱: صفحہ ۳۹۵، ۳۹۶، جامع الأمھات: جلد ۱: صفحہ ۸۲، روضۃ الطالبین للنووی: صفحہ ۵۸، الذخیرۃ : جلد ۱: صفحہ ۲۷۵، ۲۷۴، ۲۷۳، التذکرۃ لابن الملقن: صفحہ ۱۳، کفایۃ الاخیار: صفحہ ۲۸، ۲۷)**

بلکہ امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ: ’’وَلَمْ أَعْلَمْ الْمَضْمَضَةَ وَالِاسْتِنْشَاقَ عَلَى الْمُتَوَضِّئِ فَرْضًا وَلَمْ أَعْلَمْ اخْتِلَافًا فِي أَنَّ الْمُتَوَضِّئَ لَوْ تَرَكَهُمَا عَامِدًا أَوْ نَاسِيًا وَصَلَّى لَمْ يُعِدْ‘‘ وضو کرنے والے کیلئے، کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کو، میں فرض نہیں جانتا، اور نہ اس بات میں کسی کا اختلاف مجھے پتہ ہے کہ اگر وضو کرنے والا جان بوجھ کر یا بھولے سے کلی کرنا یا ناک میں پانی ڈالنا بھول جائے تو وہ نماز کو نہیں لوٹائے گا۔ **(کتاب الام: جلد ۱: صفحہ ۳۹)**

امام شعبیؒ (م ۱۰۳ھ) سے اسی طرح کا سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا "إِذَا نَسِيَ الْمَضْمَضَةَ وَالِاسْتِنْشَاقَ فِي الْجَنَابَةِ أَعَادَ، وَإِذَا نَسِيَ فِي الْوُضُوءِ أَجْزَأَهُ" اگر غسلِ جنابت میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بھول جائے تو لوٹانا ہو گا اور وضو میں بھول جائے تو لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ **(مصنف ابن ابی شیبہ: حدیث نمبر ۲۰۷۶**، واسنادہ صحیح)

امام حسن البصریؒ (م ۱۱۰ھ) سے بھی نقل کیا گیا ہے: "عَنِ الْحَسَنِ، فِي الرَّجُلِ نَسِيَ الْمَضْمَضَةَ وَالِاسْتِنْشَاقَ حَتَّى صَلَّى، قَالَ: لَا يُعِيدُ بِذَلِكَ" حضرت حسن بصریؒ سے اس شخص کے متعلق مسئلہ معلوم کیا گیا جو کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بھول گیا یہاں تک کہ نماز بھی پڑھ لی، تو آپ نے فرمایا کہ اس کی وجہ سے نماز نہیں لوٹائے گا۔ **(مصنف ابن ابی شیبہ: حدیث نمبر ۲۰۷۷**، واسنادہ صحیح)

امام ابراہیم النخعیؒ (م ۹۶ھ) سے منقول ہے "لیس المضمضة والاستنشاق من واجب الوضوء" ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ کلی اور ناک میں پانی ڈالنا وضو کے فرائض میں سے نہیں ہے۔ **(تفسیر الطبری: جلد ۱۰: صفحہ ۲۹، حدیث نمبر ۱۱۳۶۳**، واسنادہ حسن)[13]

---

[13] **تنبیہ:**

اگرچہ مغیرہؒ اور ہشیمؒ مدلس ہیں، اور اس روایت میں عن سے روایت کیا ہیں لیکن **مصنف ابن ابی شیبہ: حدیث نمبر ۲۰۷۸** میں ابو الھیثمؒ (**ثقہ**، تقریب: رقم ۸۴۳۱) اور شریک بن عبد اللہؒ ان دونوں کے متابع ہیں۔ دیکھئے: "حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ مُغِيرَةَ وَأَبِي الْهَيْثَمِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: لَيْسَ الِاسْتِنْشَاقُ بِوَاجِبٍ" ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ ناک میں پانی ڈالنا فرض نہیں۔

نیز، مصنف ابن ابی شیبہ: حدیث نمبر ۲۰۸۰ میں ابراہیم نخعیؒ کا یہی قول مختلف الفاظ کے ساتھ صحیح سند سے ثابت ہے۔ وہ الفاظ یہ ہیں: حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ، عَنْ زَائِدَةَ، عَنْ مَنْصُورٍ، قَالَ: قُلْتُ لِإِبْرَاهِيمَ: الرَّجُلُ يَنْسَى الِاسْتِنْشَاقَ فَيَذْكُرُ فِي الصَّلَاةِ أَنَّهُ نَسِيَ؟ قَالَ: قَالَ إِبْرَاهِيمُ: يَمْضِي فِي صَلَاتِهِ، قَالَ: وَقَالَ مَنْصُورٌ: وَالْمَضْمَضَةُ مِثْلُ ذَلِكَ. منصورؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم نخعیؒ سے پوچھا کہ ایک شخص کلی کرنا بھول گیا، پھر نماز میں اسے یاد آتا ہے کہ وہ کلی کرنا بھول گیا ہے، امام منصور کہتے ہیں کہ ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا: وہ اپنی نماز جاری رکھے گا، امام منصورؒ فرماتے ہیں کہ کلی کرنے کا بھی یہی حکم ہے۔

لہٰذا ان دونوں پر تدلیس کا اعتراض باطل ہے۔

مفتی کوفہ امام حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ) فرماتے ہیں کہ: "إِذَا نَسِيَ الرَّجُلُ الْمَضْمَضَةَ وَالاسْتِنْشَاقَ فَلاَ يُعِيدُ" اگر کوئی شخص مضمضہ اور استنشاق بھول جائے تو وضو کو نہیں لوٹائے گا۔ (**مصنف ابن ابی شیبہ: حدیث نمبر ۲۰۷۹**)

امام شعبہؒ (م ۱۶۰ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے امام قتادہؒ (م ۱۰۰ھ) اور امام حکم بن عتبہؒ (م ۱۱۳ھ) سے سوال کیا: "سألت الحكم وقتادة عن رجل ذكر وهو في الصلاة أنه لم يتمضمض ولم يستنشق، فقال: يمضي في صلاته" میں نے حکم اور قتادہ سے اس شخص کے بارے میں معلوم کیا جسے نماز میں یاد آیا کہ اس نے وضو میں مضمضہ اور استنشاق نہیں کیا ہے، تو انہوں نے کہا نماز وہ اپنی نماز جاری رکھے گا۔ (**تفسیر الطبری؛ جلد ۱۰: صفحہ ۳۰، حدیث نمبر ۱۱۳۶۶**، واسنادہ صحیح)

اور وضو کی ابتداء میں ہاتھ دھونے کے سلسلہ میں، امام ابن قدامہؒ (م ۶۲۰ھ) فرماتے ہیں کہ: "وَرُوِيَ أَنَّ ذَلِكَ مُسْتَحَبٌّ، وَلَيْسَ بِوَاجِبٍ. وَبِهِ قَالَ عَطَاءٌ وَمَالِكٌ وَالْأَوْزَاعِيُّ، وَالشَّافِعِيُّ، وَإِسْحَاقُ، وَأَصْحَابُ الرَّأْيِ، وَابْنُ الْمُنْذِرِ؛ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَالَ: {إذَا قُمْتُمْ إلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ} الْآيَةَ"۔ (**المغنی: جلد ۱: صفحہ ۷۳**)

الغرض یہ ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ رئیس صاحب کی پیش کردہ احادیث کی تصریح خود حضرت رفاعۃ بن رافعؓ کی حدیث کر رہی ہے کہ وضو میں ہاتھ دھونا اور کلّی وناک میں پانی ڈالنا فرض نہیں ہے، بلکہ احادیث میں موجود امر استحباب کے درجہ میں ہے۔

اسی طرح محدثین نے بھی اس حدیث کی یہی تشریح فرمائی ہے اور قرآن پاک کی آیت مع تفسیر بھی یہی تقاضہ کر رہی ہے کہ وضو میں ہاتھ دھونا، کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا سنت ہو۔ نیز جمہور سلفِ صالحین، فقہاء و محدثین کا بھی یہی مسلک ہے۔

یہی وجہ ہے کہ، امام اعظم ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) بھی فرماتے ہیں کہ وضو میں کلّی نہ کرے اور ناک میں پانی نہ ڈالے تو بھی نماز ہو جاتی ہے۔ (**الحجۃ علی اھل المدینۃ: صفحہ ۱۸، المبسوط للامام محمد بن الحسن الشیبانیؒ: جلد ۱: صفحہ ۴۰**)

اور امام طحاویؒ (م ۳۲۱ھ) نے بھی کلّی اور ناک میں پانی ڈالنے کو سنت اور اس کو چھوڑنے کو مکروہ کہا ہے۔ (**مختصر الطحاوی: صفحہ ۱۸**) واللہ اعلم۔

عدم وجوب الترتیب فی الوضوء

مفتی ابن اسماعیل المدنی

رئیس احمد ندوی سلفی صاحب لکھتے ہیں کہ : وضو میں ترتیب واجب ہے (**رسول اللہ ﷺ کا صحیح طریقہ نماز: صفحہ ۹۵**) اور دلیل کے طور پر یہ روایت پیش کی ہے۔

حدثنا حسن وأحمد بن عبد الملك قالا: حدثنا زهير عن الأعمش عن أبي صالح عن أبي هريرة قال: قال رسول الله -صلي الله عليه وسلم -: "إذا لبستم وإذا توضأتم فابدأوا بأيامنكم۔(مسند احمد: جلد ۱۴: صفحہ ۲۹۳)

اسکین :

مُسْنَد الإمام أحمد بن حنبل

(١٦٤-٢٤١هـ)

حقق هذا الجزء وخرج أحاديثه وعلق عليه

شعيب الأرنؤوط عادل مرشد

الجزء الرابع عشر

مؤسسة الرسالة

٨٦٥١ - حدثنا حسنٌ وعفَّان، قالا: حدثنا حمَّاد بن سَلَمة، قال عفَّان في حديثه: حدَّثنا أبو سِنان، عن عثمانَ بن أبي سَوْدَةَ

عن أبي هريرة أنَّ رسولَ الله ﷺ قال: «إذا عادَ المُسلِمُ أخاهُ، أو زارَهُ - قال حسنٌ: في اللهِ - يقولُ اللهُ عزَّ وجَلَّ: طِبْتَ، وطَابَ مَمْشَاكَ، وتَبَوَّأْتَ مَنزِلاً في الجَنَّةِ»، قال عفَّان: «مِن الجنةِ مَنْزِلاً».

قال حسنٌ: «في اللهِ»، ولم يَقُلْه عفَّانُ(١).

٨٦٥٢ - حدَّثنا حسنٌ وأحمدُ بن عبدالملك، قالا: حدَّثنا زُهيْر، عن الأعمش، عن أبي صالح

= فجعله من حديث الأغر، وهو اسمه، وكنيته أبو مسلم، وأما سلمان الأغر فكنيته أبو عبدالله، وكلاهما ثقة.

وسيأتي الحديث برقم (٩٢٥٤) عن عفان، عن حماد بن سلمة، عن عطاء بن السائب، عن الأغر، ولم ينسبه، ويغلب على الظن أنه أبو مسلم، والله أعلم.

وأخرجه أبو يعلى (٦١٨٩)، وابن حبان (٨١٠) من طريق أبي حازم، عن أبي هريرة، وإسناده حسن.

وقد سلف ضمن حديث مطول بسند صحيح من طريق أبي صالح، عن أبي هريرة برقم (٧٤٢٢)، وسيأتي من طريق عبدالرحمن بن أبي عمرة، عن أبي هريرة برقم (١٠٢٥٣).

وفي الباب عن أنس بن مالك، سيأتي ٣/١٣٨.

(١) إسناده ضعيف لضعف أبي سنان - واسمه عيسى بن سنان القسملي -.

وأخرجه عبد بن حميد (١٤٥١) عن الحسن بن موسى، بهذا الإسناد.

وانظر (٨٣٢٥).

٢٩٢

عن أبي هريرة، قال: قال رسولُ الله ﷺ: «إذا لَبِسْتُم، وإذا تَوَضَّأْتُم، فابْدَؤُوا بِأَيامِنِكُمْ»، وقال أحمدُ: «بِمَيَامِنِكم»(١).

٨٦٥٣ - حدَّثنا حسنٌ، حدَّثنا شَيْبانُ، عن قَتادَة، عن الحسن ٢/٣٥٥

عن أبي هريرة، قال: إنَّما كان طعامُنا مع نبيِّ اللهِ ﷺ الأسودَيْن(٢): التمرَ والماءَ، واللهِ ما كُنَّا نرى سَمْرَاءَكم هٰذه، ولا نَدري ما هي، وإنما كان لِباسُنا مع رسولِ الله ﷺ النِّمارَ؛ يعني بُرَدَ الأعرابِ(٣).

(١) إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين غير أحمد بن عبدالملك متابع حسن بن موسى الأشيب، فمن رجال البخاري. زهير: هو ابن معاوية بن حُدَيج الكوفي.

وأخرجه أبو داود (٤١٤١)، وابن ماجه (٤٠٢)، وابن خزيمة (١٧٨)، وابن حبان (١٠٩٠)، والطبراني في «الأوسط» (١١٠١)، وابن السني في «عمل اليوم والليلة» (١٦)، والبيهقي في «السنن» ١/٨٦، وفي «الشعب» (٦٢٨١)، من طرق عن زهير بن معاوية، بهٰذا الإسناد.

وروى الترمذي (١٧٦٦)، والبغوي (٣١٥٦) من طريق شعبة، عن الأعمش، عن أبي صالح، عن أبي هريرة: أن رسول الله ﷺ كان إذا لبس ثوباً بدأ بميامنه.

وانظر ما سلف برقم (٧١٧٩).

وفي الباب عن عائشة عند البخاري (١٦٨)، ومسلم (٢٦٨)، وسيأتي في «المسند» ٦/١٣٠، ولفظه: كان رسول الله يحب التيمن في شأنه كله، في طهوره وترجله وتنعله.

(٢) في (م) والنسخ المتأخرة: الأسودان، بالرفع.

(٣) حديث صحيح، وهٰذا إسناد ضعيف، الحسن - وهو البصري - لم يسمع =

٢٩٣

الجواب نمبر ۱:

غور فرمایئے ! اس روایت کو امام اعمشؒ مدلس اور خود رئیس صاحب نے ایک روایت کو امام اعمش کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں کہ اعمش مدلس واقع ہے، جنہوں نے بلا تصریح تحدیث روایت معنعن نقل کی یعنی یہ روایت ضعیف ہے۔ (**رسول اللہ ﷺ کا صحیح طریقہ نماز: صفحہ ۱۵۳، ۱۴۶**)

اسکین :

ہم کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا الفاظ لکھنے میں بھی مفتی نذیری نے اپنی تقلیدی جاحیت سے کام لیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اپنی مذکورہ بالا بات مفتی موصوف نے بحوالۂ ترمذی وابن ابی شیبہ نقل کی ہے مگر ترمذی کی یہ صراحت ملاحظہ ہو :۔

”وذكر فيه قصة الأذان مثنى مثنى والإقامة مرة مرة“ یعنی عبداللہ بن زید والی حدیث میں کلمات اذان دو ۔ دو بار اور کلمات اقامت ایک ایک بار مذکور ہیں (جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۱۶۶)

اس تصریح ترمذی سے مفتی نذیری کی تکذیب ہوتی ہے اور مصنف ابن ابی شیبہ والی روایت کی سند میں اعمش مدلس واقع ہیں جنہوں نے بلا تصریح تحدیث یہ روایت معنعن نقل کی یعنی کہ یہ روایت ضعیف ہے (ابکار المنن ج ۱ ص ۹)

مفتی نذیری نے کہا کہ :۔

”اسود بن یزید نے کہا کہ حضرت بلال کلماتِ اذان بھی دو ۔ دو مرتبہ اور کلمات اقامت بھی دو دو مرتبہ ادا کرتے تھے (مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۴۶۲ و شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۹۶ و دارقطنی ۔ (رسول اکرم کا طریقۂ نماز ص ۴۶)

ہم کہتے ہیں کہ مفتی موصوف کے ہم مذہب زیلعی کے حسب بیان اسود اذان و اقامت بلال کے سماع سے محروم تھے (نصب الرایہ ج ۱ ص ۱۵۳) یعنی کہ بتصریح زیلعی یہ سند منقطع بلفظ دیگر ضعیف ہے اور شرح معانی الآثار میں کئی روایات موقف مفتی نذیری کے خلاف ہیں انھیں دلیل بنانے کے بجائے معانی الآثار کی جس روایت کو مفتی نذیری نے دلیل بنایا ہے اس کی سند کا بھی وہی حال ہے جو مصنف عبدالرزاق کا ہے اور یہی معاملہ سنن دارقطنی والی مفتی نذیری کی مستدل روایت کا ہے اور سنن دارقطنی میں اسانید صحیحہ کے ساتھ مفتی نذیری کے موقف کے خلاف احادیث منقول ہیں۔ یہ سب آخر مفتی موصوف نے کیا کر رکھا ہے ؟

مفتی نذیری نے بحوالۂ ترمذی ج ۱ ص ۲۷، ابوداؤد ج ۱ ص ۸۹، نسائی ج ۱ ص ۱۰۳، ابن ماجہ ص ۵۲، مشکوٰۃ ج ۱ ص ۶۳، مسند احمد و دارمی وغیرہ نے لکھا کہ ابو محذورہ کی روایت میں بھی اقامت کے سترہ کلمات کا ذکر ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اقامت کے کلمات بھی دو ۔ دو مرتبہ ہیں اور یہ سترہ کلمات اذان کے پندرہ کلمات میں قد قامت الصلوٰۃ کے دو مرتبہ بڑھ جانے سے ہوئے الخ (رسول اکرم کا طریقۂ نماز ص ۴۶-۴۷)

لیکن چونکہ امام اعمشؒ کی عن والی روایت یہاں ان کے مسلک کی تائید میں ہے، تو اس لئے انہوں نے ان کی عنعنہ والی روایت کو صحیح کہہ کر دوغلی پالیسی کا ثبوت دیا ہے۔ **(رسول اللہ ﷺ کا صحیح طریقہ نماز: صفحہ ۹۵)** اسکین ملاحظہ فرمائے

۹۵ — رسول اکرم ﷺ کا صحیح طریقۂ نماز

تیسری بار سنت و مستحب ہے چہرے کے بعد دونوں ہاتھوں کے دھونے کا ذکر قرآن مجید نے کیا ہے کہ انہیں کہنیوں تک دھونے کا مطلب از روئے تحقیق کہنیوں سمیت دھونا ہے اگرچہ احناف میں سے عظیم ترین فقیہ امام زفر جو امام ابو حنیفہؒ کے سب سے زیادہ صاحب علم و قیاس سمجھے جاتے ہیں ان کی طرف کتب احناف میں منسوب ہے کہ کہنیوں سمیت دھونا ضروری نہیں کہنیوں تک دھونے کے حکم الٰہی سے مراد امام زفر کے نزدیک یہ نہیں ہے کہ کہنیاں دھلنے میں شامل ہیں بلکہ وہ دھلنے سے خارج ہیں یہی مسئلہ موصوف زفر کا پاؤں کے ٹخنوں کے سلسلے میں بھی ہے ۔ اس اعتبار سے احناف کے یہاں یہ مسئلہ بذات خود اختلافی ہے اور عام احناف کی طرح مفتی نذیری بھی کہنیوں اور ٹخنوں کا ہاتھ پاؤں کے ساتھ دھونا فرض قرار دیتے ہیں مگر اپنے اصول مخترعہ اور وعدہ کے خلاف اس اختلافی مسئلہ میں بھی موصوف مفتی نذیری نے صرف ایک حدیث کا حوالہ دینے پر اکتفاء کیا ہے جبکہ فقہ حنفی کی کتابوں میں اس سلسلے میں کئی کئی صفحات سیاہ کئے گئے ہیں۔ مفتی نذیری نے ایک حدیث سنن ابن ماجہ سے یہ نقل کی ہے کہ ”اذا توضأتم فابدؤا بميامنكم“ یعنی یہ حکم نبوی ہے کہ جب وضو کرو تو دائیں طرف سے شروع کرو (ص ۳۱) مفتی نذیری کی ذکر کردہ یہ حدیث مسند احمد میں بھی بسند صحیح مروی ہے (الفتح الربانی ج ۲ ص ۵، مسند احمد ج ۱ ص ۹۱ حدیث نمبر ۱۳۹ و سنن ابی داؤد)

اس فرمان نبوی کا مقتضی یہ ہے کہ وضو میں ترتیب واجب ہے کیونکہ جب حکم نبوی یہ ہے کہ جس چیز کے ساتھ ابتداء اللہ نے کی ہو اسی کے ساتھ تم بھی کرو نیز تم دائیں اعضاء سے بھی ابتداء کرو تو دونوں فرامین نبویہ کا لازمی مطلب یہ ہوا کہ ترتیب کے ساتھ وضو لازم ہے اور عدم ترتیب کی صورت میں دونوں ہی فرامین نبویہ کے مجموعہ سے مستخرج ہونے والے حکم نبوی کی خلاف ورزی لازم آئے گی اور حکم نبوی کی خلاف ورزی کسی صورت میں مومنوں کے لئے جائز نہیں ہے الا یہ کہ کسی حکم نبوی کا غیر واجب ہونا دلیل شرعی سے ثابت ہو اور وضو میں ترتیب نبوی کا غیر واجب ہونا کسی بھی دلیل شرعی سے ثابت نہیں ۔

جب حکم نبوی یہ ہے کہ پہلے داہنے والے عضو کو دھو تو اس ترتیب کے بجائے اگر کوئی بائیں عضو کو داہنے سے پہلے دھوئے تو فرمان نبوی کی خلاف ورزی ہوگی جس کے جواز پر کوئی دلیل شرعی موجود نہیں اس لئے وضو میں ترتیب اور تیامن (داہنے عضو کو پہلے دھونا) فرمان نبوی کے مطابق واجب ہے جس سے حنفی مذہب نے اختلاف کر رکھا ہے مگر بہت سارے اہل علم وضو میں ترتیب و تیامن کو واجب قرار دیتے ہیں اور اس کے باوجود اپنے اصول خود ساختہ اور وعدۂ عرقوب کا لحاظ کئے بغیر مفتی نذیری نے تیامن کے سلسلے میں صرف ایک ہی حدیث کے ذکر پر

نیز ابو صہیب داؤد ارشد، کفایت اللہ سنابلی، زبیر علی زئی، خبیب احمد اور ارشاد الحق صاحب نے بھی امام اعمشؒ کی عنعنہ والی روایت کو ضعیف کہا ہے۔ (**حدیث اور اہل تقلید: جلد ۱: صفحہ ۳۵۰، مسنون تراویح:۱۰۶، تعدادِ قیام کا تحقیقی جائزہ: صفحہ ۸۱، مقالات اثریہ: صفحہ ۲۵۷**)

لہذا یہ روایت خود غیر مقلدین کے نزدیک مردود ہے۔

الجواب نمبر ۲:

اہل حدیث حضرات مجتہد العصر حافظ عبد اللہ روپڑی صاحب تحیۃ الوضو کے سلسلہ میں ابن بطالؒ کے قول سے دلیل پکڑتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ: صیغہ امر '**فلیرکع رکعتین**' استحباب پر محمول ہے، اس لئے کہ جلیل القدر صحابہ مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے اور نماز پڑھتے، اس سے ثابت ہوا کہ تحیۃ المسجد مستحب ہے۔ (**فتاویٰ اہل حدیث: ۲: صفحہ ۲۷**) معلوم ہوا کہ اہل حدیث حضرات کے نزدیک امر کا استحباب کے معنیٰ میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

تو پھر اس روایت سے رئیس صاحب کا وضو میں ترتیب کا واجب کہنا باطل و مردود ہے، نیز دوسری روایت اور اصحاب رسول ﷺ کے ارشادات بھی موجود ہیں، جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہاں پر امر استحباب کے معنیٰ میں ہے اور وضو میں ترتیب واجب نہیں ہے۔

احناف کے دلائل: (دلیل نمبر ۱)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ۔ (سورہ مائدہ:۶)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کا ذکر فرمایا ہے، اور ان کے علاوہ پانچویں چیز بھی فرض ہوتی، تو اس کا ذکر بھی ضرور ہوتا، پس یہی وجہ ہے کہ وضو میں ترتیب فرض نہیں ہے اور امام ابو بکر الجصاص الرازیؒ (**م ۳۷۰ھ**) بھی فرماتے ہیں کہ

"أما جواز التفريق، فلأنه مطابق للفظ الآية، إذ ليس فيها إيجاب المتابعة" وضو میں، ایک عضو کو دھونے کے بعد دوسرے کو دھونے میں کچھ تاخیر کا جواز اس لئے ہے کیونکہ یہ آیت کے الفاظ کے مطابق ہے، چونکہ آیت میں پے در پے دھونے کو واجب نہیں کہا گیا ہے۔ **(شرح مختصر الطحاوی للجصاص: جلد ۱: صفحہ ۳۲۷)** معلوم ہوا کہ وضو میں ترتیب ضروری نہیں ہے۔

دلیل نمبر ۲:

امام احمدؒ (م ۲۴۱ھ) فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا أَبُو الْمُغِيرَةِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَرِيزٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَيْسَرَةَ الْحَضْرَمِيُّ، قَالَ: سَمِعْتُ الْمِقْدَامَ بْنَ مَعْدِي كَرِبَ الْكِنْدِيَّ، قَالَ: " أُتِيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَضُوءٍ، فَتَوَضَّأَ، فَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلَاثًا ، وَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا، ثُمَّ غَسَلَ ذِرَاعَيْهِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا، ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ ثَلَاثًا ، وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ وَأُذُنَيْهِ ظَاهِرِهِمَا وَبَاطِنِهِمَا، وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا۔

حضرت مقدامؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس وضو کا پانی لایا گیا، آپ ﷺ نے اس سے وضو کیا۔ دونوں ہاتھوں کو ۳ مرتبہ دھویا، چہرہ کو تین مرتبہ، دونوں ہاتھوں کو تین مرتبہ دھویا، پھر تین مرتبہ کلّی کی اور تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا۔۔۔ **(مسند احمد: جلد ۲۸: صفحہ ۴۲۵، حدیث نمبر ۱۷۱۸۸، و اسناده صحیح و رجاله کلهم ثقات)** یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد قاضی شوکانیؒ (م ۱۲۵۰ھ) فرماتے ہیں کہ:

"**هُوَ يَدُلُّ عَلَى عَدَمِ وُجُوبِ التَّرْتِيبِ**" یہ حدیث (وضو میں) ترتیب کے واجب نہ ہونے پر دلالت کر رہی ہے۔ **(نیل الاوطار: جلد ۱: صفحہ ۱۸۳، حدیث نمبر ۱۷۲)**

دلیل نمبر ۳:

امام دار قطنیؒ (م ۳۸۵ھ) نے حضرت ربیعؓ سے ایک روایت نقل فرمائی ہے اور اس میں بھی یہی ذکر ہے:

فَيَبْدَأُ فَيَغْسِلُ يَدَيْهِ قَبْلَ أَنْ يُدْخِلَهُمَا ثَلَاثًا , ثُمَّ يَتَوَضَّأُ فَيَغْسِلُ وَجْهَهُ ثَلَاثًا , ثُمَّ يُمَضْمِضُ ثَلَاثًا , وَيَسْتَنْشِقُ ثَلَاثًا , ثُمَّ يَغْسِلُ يَدَيْهِ

کہ آپ نے وضو کے آغاز میں دونوں ہاتھوں کو برتن میں داخل کرنے سے پہلے ۳ مرتبہ دھویا، پھر آپ ﷺ نے وضو شروع کیا اور اپنے چہرہ کو ۳ مرتبہ دھویا، پھر تین مرتبہ کلّی کی، پھر ۳ مرتبہ ناک میں پانی ڈالا، پھر دونوں ہاتھوں کو دھویے۔ **(سنن دار قطنی : جلد ا: صفحہ ۱۶۸، حدیث نمبر ۳۲۰**، واسنادہ حسن)[14]

دلیل نمبر ۴ اور ۵:

حضرت زیادؒ **(ثقہ)** فرماتے ہیں کہ:

نا ابْنُ صَاعِدٍ , نا عَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ الْعَلَاءِ , ثنا مَرْوَانُ , نا إِسْمَاعِيلُ , عَنْ زِيَادٍ , قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ فَسَأَلَهُ عَنِ الْوُضُوءِ , فَقَالَ: أَبْدَأُ بِالْيَمِينِ أَوْ بِالشِّمَالِ؟ , «فَأَضْرَطَ عَلِيٌّ بِهِ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَبَدَأَ بِالشِّمَالِ قَبْلَ الْيَمِينِ»

ایک شخص حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے وضو کرنے کے بارے میں دریافت کیا اور کہا: میں (وضو) کا آغاز دائیں ہاتھ کے ذریعہ کروں یا بائیں ہاتھ کے ذریعہ ؟ تو حضرت علیؓ نے اسے ڈانٹا اور پھر آپؓ نے پانی منگوایا اور (وضو کرتے ہوئے) دائیں ہاتھ سے پہلے بائیں ہاتھ کو دھولیا۔ **(سنن دار قطنی: حدیث ۲۹۰**، واسنادہ صحیح)[15]

اسی طرح دوسری روایت میں ذکر ہے کہ سائل نے پوچھا: کیا میں وضو کے دوران اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ سے پہلے دھو سکتا ہوں؟ تو حضرت علیؓ نے پھر آپؓ نے پانی منگوایا اور (وضو کرتے ہوئے) دائیں ہاتھ سے پہلے بائیں ہاتھ کو دھولیا۔ **(سنن دار قطنی: حدیث ۲۹۱**، واسنادہ حسن)

دلیل نمبر ۶ :

---

[14] ان ہی حسن اور صحیح روایات کی بنیاد پر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں کہ "سنت یہ یہی ہے کہ اسی طرح (ترتیب) سے وضو کرے جس طرح ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ اور اگر کوئی الٹا وضو کر لے۔۔۔۔۔ تو بھی وضو ہو جاتا ہے۔ لیکن سنت کے موافق وضو نہیں ہوتا اور گناہ کا خوف ہے۔" **(بہشتی زیور: حصہ اول: ص ۷۸، طبع مکتبہ البشریٰ)** معلوم ہوا کہ حضرت تھانویؒ کا یہ مسئلہ احادیث سے ثابت ہے۔

[15] اس کی سند میں ایک راوی زیاد مولی بنی مخزوم ہے، آپؒ کو امام شافعیؒ، امام ابن حبانؒ، اور امام قاسم بن قطلوبغاؒ نے ثقہ قرار دیا ہے، **مسند شافعی: ۲: صفحہ ۲۲۶، حدیث نمبر ۸۹۱، کتاب الثقات لابن حبان: جلد ۴: صفحہ ۲۵۹، کتاب الثقات للقاسم: جلد ۴: صفحہ ۳۶۷**، لہذا یہ سند صحیح ہے)

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا، جو وضو کرتے ہوئے بائیں اعضاء پہلے دھولیتا ہے، تو ابن مسعودؓ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں، امام دار قطنیؒ اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد، اسے صحیح قرار دیتے ہیں۔ **(سنن دار قطنی : جلد ۱: صفحہ ۱۵۴، حدیث ۲۹۷)**[16]

اسی طرح ایک روایت حضرت عثمان بن عفانؓ سے بھی مروی ہے۔ دیکھئے، **مسند بزار: جلد ۲: صفحہ ۴۹، حدیث نمبر ۳۹۳، سنن دار قطنی: جلد ۱: صفحہ ۱۴۸، حدیث نمبر ۲۸۶**، واسنادہ حسن۔

ان سب دلائل کے ہوتے ہوئے، رئیس صاحب کا یہ کہنا کہ وضو میں ترتیبِ نبوی کا غیر واجب ہونا، کسی بھی دلیل شرعی سے ثابت نہیں ہے۔ **(صفحہ: ۹۵)** مردود ہے۔

الغرض یہ چند دلائل تھے جن کی وجہ سے احناف کہتے ہیں کہ وضو میں ترتیب واجب نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ امام طحاویؒ **(م ۳۲۱ھ)** فرماتے ہیں کہ: **"ومن والى وضوءه، أو فرقه، أو قدم شيئا على شيء: لم يضره"** اور جس نے ترتیب سے وضو کیا یا اس کو غیر مرتب کیا یا کسی عضو کو دوسری عضو پر مقدم کر دیا، تو اس (کے وضو) کو نقصان نہیں ہو گا۔ **(مختصر الطحاوی: صفحہ ۱۸)**

امام دار قطنیؒ **(م ۳۸۵ھ)** بھی فرماتے ہیں کہ **"بَابُ مَا رُوِيَ فِي جَوَازِ تَقْدِيمِ غَسْلِ الْيَدِ الْيُسْرَى عَلَى الْيُمْنَى"** باب: (وضو کے دوران) دائیں ہاتھ سے پہلے بائیں ہاتھ کو دھولینا جائز ہے۔ **(سنن دار قطنی: جلد ۱: صفحہ ۱۵۱)**

واللہ اعلم

---

[16] **نوٹ:** اگرچہ اس روایت میں ہشیمؒ نے عن سے روایت کی ہے، لیکن کتاب الطہور للقاسم بن سلّامؒ (صفحہ ۳۵۳-۳۵۴) پر انہوں نے سماع کی تصریح کر دی ہے، لہذا اس روایت میں ان پر تدلیس کا الزام باطل و مردود ہے۔

مسئلة الفرق بين المضمة والاستنشاق

مفتی ابن اسماعیل المدنی

کیا وضو میں ایک ہی پانی سے کلّی کرے اور ناک میں پانی ڈالے یا دونوں کیلئے الگ الگ پانی استعمال کرے؟

غیر مقلد عبد الرؤف سندھو صاحب لکھتے ہیں کہ: ایک چلّو سے کلّی کرنا اور پھر دوسرے چلّو سے ناک میں پانی ڈالنا، یہ طریقہ صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ **(مسنون نماز: صفحہ ۴۵)**

الجواب:

اس کا جواب خود علماء اہل حدیث سے سن لیجئے:

(۱) شیخ عبد الرحمن عزیز صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: منہ اور ناک کے لئے علیحدہ علیحدہ پانی لینا بھی جائز ہے۔ **(صحیح نماز نبوی: صفحہ ۴۲)**

(۲) غیر مقلدین کے حکیم صادق سیالکوٹیؒ نے لکھا ہے کہ: پورے ۳ چلّو سے ۳ مرتبہ کلی کرنا، پھر ۳ چلّو سے ۳ بار ناک میں پانی ڈالنا بھی درست ہے۔ **(القول المقبول: صفحہ ۱۶۷)**

(۳) اہل حدیثوں کے محدث العصر، حافظ زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں کہ کلی کرتے وقت منہ علیحدہ پانی ڈالنا بھی جائز ہے۔ اور علی زئی صاحب دلیل ذکر کرتے ہیں کہ:

رأيت عليا وعثمان توضآ ثلاثا ثلاثا" ثم قالا: "هكذا توضأ النبي صلى الله عليه وسلم" وذكر أنهما أفردا المضمضة والاستنشاق.

شقیق بن سلمہؒ نے کہا کہ: میں نے علیؓ اور عثمانؓ کو دیکھا: انہوں اعضاء وضو کو ۳،۳ بار دھویا اور پھر فرمایا کہ نبی ﷺ نے اسی طرح وضو کیا تھا۔ (شقیق نے) بیان کیا کہ ان دونوں نے کلی علیحدہ کی اور ناک میں پانی علیحدہ پانی ڈالا تھا۔ **(تاریخ ابن ابی خیثمہ: صفحہ ۵۸۸، حدیث نمبر ۱۴۱۰)**، آگے علی زئی کہتے ہیں کہ اس کی سند حسن لذاتہ ہے۔ **(فتاویٰ علمیہ: جلد ۱: صفحہ ۲۱۴)**

اسکین:

کتاب الطهارة 214

اس روایت کی سند لیث بن ابی سلیم کی وجہ سے ضعیف ہے اور اس میں دوسری علت بھی ہے۔ دیکھئے التلخیص الحبیر (ج ۱ ص ۷۸، ۷۹ ح ۷۹)

بلکہ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بالاتفاق ضعیف ہے۔ (المجموع شرح المہذب ج ۱ ص ۳۶۳)

ایک دوسری روایت میں بھی کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کے درمیان فصل کا ذکر آیا ہے جو سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ جسے ابو علی بن السکن نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ (التلخیص ص ۷۹)

مجھے تلاش بسیار کے باوجود اس کی سند نہیں ملی۔

بعد میں اس کی سند مل گئی ہے جو کہ مع متن وحوالہ درج ذیل ہے:

امام ابن ابی خیثمہ (متوفی ۲۷۹ھ) نے فرمایا: "حدثنا علي بن الجعد قال: أنا عبدالرحمن بن ثابت بن ثوبان عن عبدة بن أبي لبابة قال: سمعت شقيق بن سلمة قال: رأيت علياً وعثمان توضآ ثلاثاً ثلاثاً ثم قالا: هكذا توضأ النبي ﷺ وذكر أنهما أفردا المضمضة والاستنشاق" شقیق بن سلمہ نے کہا کہ میں نے علی اور عثمان (رضی اللہ عنہما) کو دیکھا، انھوں نے اعضائے وضو کو تین تین دفعہ دھویا پھر فرمایا کہ نبی ﷺ نے اسی طرح وضو کیا تھا۔ اور (شقیق نے) بیان کیا کہ ان دونوں نے کلی علیحدہ کی تھی اور ناک میں علیحدہ پانی ڈالا تھا۔ (التاریخ الکبیر لابن ابی خیثمہ ص ۵۸۸ ح ۱۴۱۰ وسندہ حسن لذاتہ)

معلوم ہوا کہ کلی کرتے وقت منہ میں علیحدہ پانی ڈالنا اور (بعد میں) ناک میں علیحدہ پانی ڈالنا بھی جائز ہے۔ [شہادت، مئی ۱۹۹۹ء]

وضو کے دوران میں جائز کلام

سوال: وضو یا کھانے کے دوران باتیں کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ (ایک سائل)

الجواب: وضو یا کھانے کے دوران میں جائز باتیں کرنے کی ممانعت کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے وضو کیا جب آپ پاؤں دھونے کے قریب پہنچے تو میں نے اپنے ہاتھ بڑھائے تا کہ آپ کے موزے اتار دوں
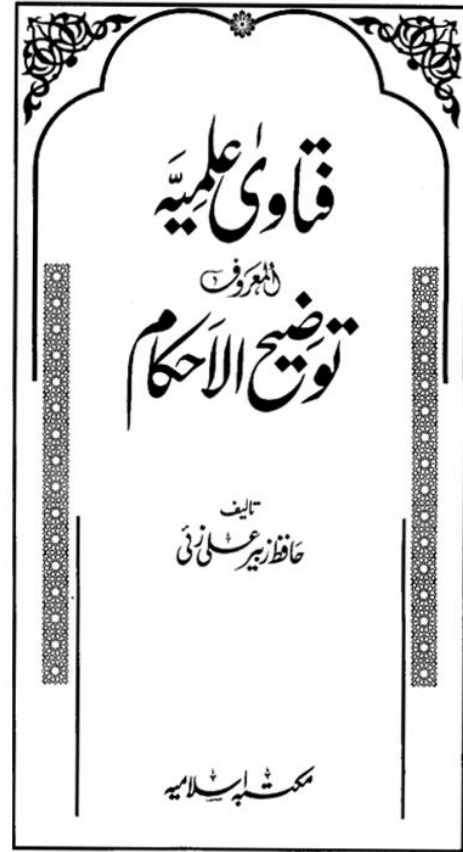
معلوم ہوا کہ خود اہل حدیث علماء کی نظر میں عبد الرؤف سندھو صاحب کا دعویٰ باطل ومردود ہے۔

اور اسی طرح ابو داؤد کی روایت میں بھی کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کے لئے الگ الگ پانی لینے کا ذکر ہے۔ امام ابو داؤدؒ (م ۲۷۵ھ) فرماتے ہیں کہ:

حدثنا حميد بن مسعدة، حدثنا معتمر، قال: سمعت ليثا، يذكر عن طلحة، عن أبيه، عن جده، قال: دخلت - يعني - على النبي صلى الله عليه وسلم وهو يتوضأ، والماء يسيل من وجهه ولحيته على صدره، فرأيته يفصل بين المضمضة والاستنشاق

ترجمہ:

طلحہ اپنے والد سے اور وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اس وقت آپ وضو فرمارہے تھے اور پانی آپ کے چہرے اور ڈاڑھی سے سینے پر بہہ رہا تھا، تو میں نے دیکھا کہ آپ نے مضمضہ اور استنشاق میں فرق کیا۔ **(سنن ابی داؤد: حدیث نمبر ۱۳۹)** [17]

---

[17] **رواۃ کی تحقیق یہ ہے:**

۱-امام ابو داؤدؒ (م **۲۷۵ھ**) مشہور حافظ، ثقہ اور صاحب مصنفات ہیں۔ **(تقریب: رقم ۲۵۳۳)**

۲-حمید بن مسعدۃؒ (م **۲۴۴ھ**) صحیح مسلم کے راوی ہیں اور صدوق ہیں۔ **(تقریب: رقم ۱۵۵۹)**

۳-معتبر بن سلیمانؒ (م **۱۸۷ھ**) صحیح کے راوی اور ثقہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۶۷۸۵)**

۴-لیث بن ابی سلیمؒ (م **۱۴۸ھ**) پر تفصیل آگے آرہی ہے۔

۵-طلحہ بن مصرفؒ (م **۱۱۲ھ**) بھی صحیحین کے راوی ہیں اور ثقہ، فاضل اور قاری ہیں۔ **(تقریب: رقم ۳۰۳۴)**

۶-طلحہؒ کے والد مصرفؒ بھی ثقہ ہیں، امام ابو زرعہؒ نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ (مختصر تہذیب الکمال، **بحوالہ البنایۃ شرح ہدایہ: جلد ۱: صفحہ ۲۱۳**)، حافظ ابن الصلاحؒ (م **۶۴۳ھ**) نے آپ کی روایت کو حسن اور حافظ المغرب ابن عبد البرؒ (م **۴۶۳ھ**) '**اصح**' کہہ کر آپؒ کو معتبر قرار دیا ہے۔ (النکت علی المہذب لابن الصلاح، **بحوالہ السیل الجرار للشوکانی: صفحہ ۵۷، التمہید لابن عبد البر: جلد ۲۰: صفحہ ۱۲۵**) اور کسی حدیث کی تصحیح و تحسین غیر مقلدین کے نزدیک اس حدیث کے راویوں کی توثیق ہوتی ہے۔ **(دیکھئے، ص: ۹۶)**

لہذا ثابت ہوا کہ حافظ المغرب اور ابن الصلاحؒ کے نزدیک بھی مصرّفؒ ثقہ ہیں۔

۷-کعب بن عمروؓ صحابی رسول ہیں۔ **(تقریب: رقم ۵۶۴۵)**

طلحہؒ کے دادا کعب بن عمروؓ صحابی رسول ہیں، بعض نے آپؓ کا نام عمرو بن کعب بتایا ہے، حافظ ابن حجرؒ (م **۸۵۲ھ**) نے تقریب میں انہیں صحابی بتایا ہے۔ **(رقم ۵۶۴۵)** امام مزیؒ (م **۷۴۲ھ**) اور امام ذہبیؒ (م **۷۴۸ھ**) نے بھی ان کے صحابی ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ **(تہذیب الکمال: جلد ۲۴: صفحہ ۱۸۴، الکاشف: رقم ۴۶۵۹)** امام ابن ابی حاتمؒ (م **۳۲۷ھ**) کہتے ہیں کہ '**روی عن النبی ﷺ**' انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کی ہے۔ **(الجرح والتعدیل: جلد ۷: صفحہ ۱۶۱)** امام ابو القاسم البغویؒ (م **۳۱۷ھ**)، امام ابن عبد البرؒ (م **۴۶۳ھ**)، امام ابو نعیمؒ (م **۴۳۰ھ**) وغیرہ نے آپ کو اپنی اپنی کتاب الصحابہ میں شمار کیا ہے۔ **(معجم الصحابہ: جلد ۵: صفحہ ۱۳۱، الاستیعاب لابن عبد البر**

: جلد ۳: صفحہ ۱۱۹۹، معرفۃ الصحابہ: جلد ۴: صفحہ ۲۰۱۶) امام ابن حبانؒ **(م ۳۵۴ھ)** اور حافظ صلاح الدین صفدیؒ نے بھی انہیں صحابی قرار دیا ہے۔ **(کتاب الثقات: رقم ۱۱۶۴، الوافی بالوفیات للصفدی: جلد ۲۴: صفحہ ۲۶۴)**، امام یحییٰ بن معینؒ **(م ۲۳۳ھ)** کہتے ہیں کہ "المحدثون یقولون: قدر آہ، وأهل بیت طلحة یقولون: لیست لہ صحبة" محدثین کہتے ہیں کہ کعبؓ نے حضور ﷺ کو دیکھا ہے اور طلحہ کے گھر والے کہتے ہیں کہ نہیں دیکھا۔ امام عبد الرحمن بن مہدیؒ **(م ۱۹۸ھ)** بھی کہتے ہیں کہ وہ صحابی ہیں۔ **(السنن الکبریٰ للبیہقی: حدیث نمبر ۲۳۴)**، امام ذہبیؒ نے آپ کو تجرید اسماء الصحابہ میں شمار کیا ہے۔ **(جلد ۲: صفحہ ۳۲)** اسی طرح شیخ دسمان یحییٰ معالی اور شیخ عباس صخر الحسن نے **(اسد الغابۃ: جلد ۴: صفحہ ۱۸۵، الاصابۃ: جلد ۳: صفحہ ۳۰۰، تہذیب التہذیب: جلد ۸: صفحہ ۳۹۱** اور **تقریب: جلد ۱: صفحہ ۴۶۱** کے حوالہ سے کہا ہے کہ **'أثبت له ابن الأثیر و ابن حجر الصحبة'** ابن الاثیرؒ اور ابن حجرؒ نے ان کی صحابیت کو ثابت کیا ہے۔ **(الطیوریات: جلد ۳: صفحہ ۸۳۱، طبع مکتبۃ السلف، الریاض)** حافظ مغلطائیؒ **(م ۷۶۲ھ)** بھی انہیں صحابی کہتے ہیں، امام ابو الفضل محمد بن طاہر المقدسیؒ **(م ۵۰۷ھ)** عمران بن محمد الحمدانیؒ امام ابو حاتم الرازیؒ **(م ۲۷۷ھ)** امام احمد بن حنبلؒ **(م ۲۴۱ھ)**، امام طبرانیؒ **(م ۳۶۱ھ)** امام ابن سعد **(م ۲۳۰ھ)** وغیرہ نے بھی آپ صحابی تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح امام ابو احمد العسکری **(م ۳۸۲ھ)** حافظ ابو محمد الرشاتی **(م ۵۴۲ھ)** اور امام ابو عمرو خلیفہ بن خیاطؒ **(م ۲۴۰ھ)** نے آپؓ کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔ **(الابانۃ للحافظ المغلطائی: جلد ۲: صفحہ ۱۲۱)** امام ابن قانعؒ **(م ۳۵۱ھ)** نے آپ کا ذکر معجم الصحابہ میں کیا ہے۔ دیکھئے: **جلد ۲: صفحہ ۲۲۱۔**

لہذا صحیح اور راجح قول یہی ہے کہ آپؓ صحابی ہیں۔

اعتراض:

علی زئی صاحب کہتے ہیں کہ اس روایت کی سند لیث بن ابی سلیمؒ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ **(فتاویٰ علمیہ: جلد ۱: صفحہ ۲۱۴)**

الجواب:

لیث بن ابی سلیمؒ **(م ۱۴۸ھ)** پر جرح موجود ہے، لیکن ان کے بارے میں غیر مقلد ارشاد الحق اثری صاحب اپنا موقف ابن حجرؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:

"ولیث وإن کان ضعیف الحفظ فإنه یعتبر به ویستشهد" اور لیث اگرچہ حافظہ میں کمزور ہیں، لیکن اعتباراً اور استشہاداً اسے قبول کیا جائے گا۔ **(اعلاء السنن فی المیزان: صفحہ ۳۵۱)**، نیز **توضیح الکلام: صفحہ ۴۴۵** پر تحریر کرتے ہیں کہ اس کی (یعنی لیثؒ کی) روایت کو متابعت میں قبول نہ کرنا ناانصافی نہیں تو اور کیا ہے؟

اسکین: توضیح الکلام: صفحہ ۴۴۵

کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے ایک اثر امام بخاریؒ نے جزء رفع الیدین میں نقل کیا ہے کہ وہ وتر کی آخری رکعت میں رکوع سے پہلے رفع الیدین کرتے اور دعائے قنوت پڑھتے۔ علامہ نیمویؒ آثار السنن (ص ۱۶۹) میں اور علامہ محمد یوسف بنوریؒ، معارف السنن (ص ۲۴۶ ج ۴) میں اسی اثر کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: '' اسنادہ صحیح '' حالانکہ یہ اثر لیثؒ بن ابی سلیم ہی کے واسطہ سے منقول ہے۔ اور یہاں بھی یہ حضرات نصرت مذہب میں اس کی سند کو صحیح فرما رہے ہیں مگر 487 ہمارے نزدیک وہ احتجاج کے قابل نہیں۔ البتہ متابعت میں اس کی روایت مقبول ہے۔ بلکہ علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ تو فرماتے ہیں لیثؒ '' من رواۃ الحسن ''حسن حدیث کے راویوں میں سے ہے۔ (العرف الشذی: ص ۹۸)

لہٰذا اس کی روایت کو متابعت میں قبول نہ کرنا ناانصافی نہیں تو اور کیا ہے؟ علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں: روی لــه مسلــم والاربعة و فيه ضعف يسير من سوء حفظه و منهم من يحتج به۔ (اللآلی: ص ۲۰ ج ۱) اس سے مسلم اور سنن اربعہ میں روایت ہے۔ اس میں سوء حفظ کی بنا پر کچھ ضعف ہے بلکہ بعض نے اس سے احتجاج کیا ہے۔ علامہ لکھنویؒ لکھتے ہیں کہ:

ليث بن ابی سليم و ان ضعفه جماعة لكن حديثه مقبول فی المتابعة.. وفی القول المسدد ليث و ان كان ضعيفاً فانما ضعفه من قبل حفظه فهو متابع قوی الخ ملخصاً۔ (امام الکلام: ص ۱۹۳)

لیثؒ بن ابی سلیم کو اگرچہ ایک جماعت نے ضعیف کہا ہے لیکن متابعت میں اس کی حدیث مقبول ہے اور '' الــقــول المسدد '' میں حافظ ابن حجرؒ کا قول ہے کہ لیثؒ اگرچہ ضعیف ہے مگر اسے بوجہ ضعف حفظ ضعیف کہا گیا ہے۔ پس یہ متابعت قوی ہے۔

اور فتح الباری '' باب الاستنجاء بروث '' میں لکھتے ہیں: ''ليث يستشهد به'' کہ وہ قابل استشہاد ہے۔

اور ہم بھی لیثؒ کی روایت کو متابعت میں پیش کر رہے ہیں۔ اور اس اثر کی مزید سندیں آگے آئیں گی۔

صفدر صاحب کی ناانصافی

مولانا صفدر صاحب فرماتے ہیں کہ اس میں عبدالرحمٰن بن ثروان ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں۔ (احسن: ص ۱۲۸ ج ۲)

لیکن یہ انتہائی ناانصافی اور اصول شکنی ہے جب کہ موصوف خود فرماتے ہیں:

''ہم نے جرح و تعدیل میں جمہور کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔'' (احسن: ص ۴۰ ج ۱)

کیا یہاں عبدالرحمٰن کو جمہور نے ضعیف کہا ہے کہ موصوف جرح کو ترجیح دے رہے ہیں؟ حالانکہ امام ابن معینؒ، دارقطنیؒ ابن نمیرؒ نے ثقہ اور امام عجلیؒ نے ثقہ ثبت کہا ہے۔ ابن حبانؒ نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور امام نسائیؒ لا بــأس بــه کہتے ہیں۔ بلکہ امام احمدؒ کا بھی ایک قول یہی ہے۔ اور امام بخاریؒ نے اس سے احتجاج کیا ہے۔ (تہذیب: ص ۱۵۳ ج ۶)
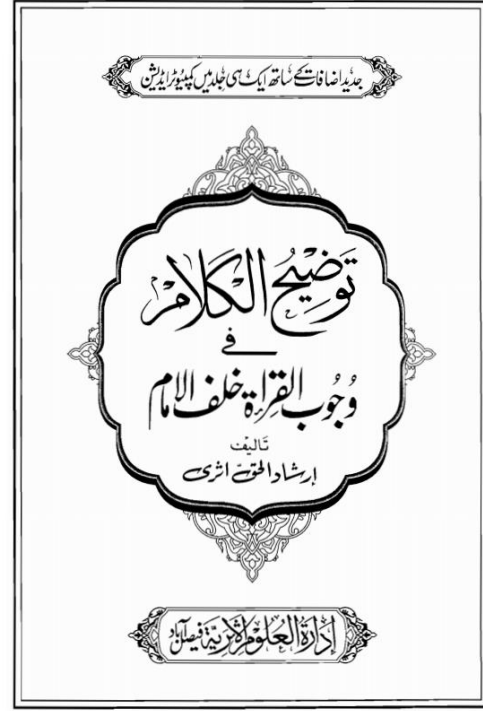
اسی طرح اہل حدیث مسلک کے محدث، یحییٰ گوندلوی صاحب لیث کے بارے میں لکھتے ہیں کہ (وہ) متابعت میں قابل ذکر ہے۔ **(خیر الکلام: صفحہ ۲۳۳)** ثابت ہوا کہ لیث بن ابی سلیمؒ کی جب شاہد یا متابع مل جائے، تو خود اہل حدیث حضرات کے اصول کی روشنی میں ان کو قبول کیا جائے گا۔

اور یہاں پر بھی لیثؒ کی روایت کا شاہد تاریخ ابن ابی خیثمہ کی روایت ہے، جس کی سند کو خود زبیر علی زئی صاحب معتبر تسلیم کر چکے ہیں، جس کی تفصیل گزر چکی۔ لہٰذا زبیر صاحب کا یہ اعتراض خود ان کے مسلک کے اصول کی روشنی میں مردود ہے اور شاہد کی وجہ سے لیث بن ابی سلیمؒ کی یہ روایت مقبول ہے۔

نوٹ:

بعض لوگ لیث بن ابی سلیمؒ پر مدلس ہونے کا بھی اعتراض کرتے ہیں، تو ان کی خدمت میں عرض ہے کہ انہوں نے سماع کی صراحت کر دی ہے۔ امام طبرانیؒ **(م ۳۶۰ھ)** فرماتے ہیں کہ:

صحابہ کرامؓ کا عمل:

تاریخ ابن ابی خیثمہؒ کی کتاب سے گزر چکا کہ حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت علیؓ بھی وضو کرتے وقت ایک چلّو سے کلّی کرتے اور دوسرے چلّو سے ناک میں پانی ڈالتے تھے۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کا بھی یہی عمل ہے۔

تابعینؒ اور ائمہ مجتہدین کا عمل:

(۱) حسن بصریؒ (**م ۱۱۰ھ**) بھی کلّی اور ناک میں پانی ڈالنے کے لئے الگ الگ پانی استعمال فرماتے تھے۔[18]

(۲) امام محمد بن ادریس الشافعیؒ (**م ۲۰۴ھ**) فرماتے ہیں کہ: "**إنْ جَمَعَهُمَا فِي كَفٍّ وَاحِدٍ فَهُوَ جَائِزٌ، وَإِنْ فَرَّقَهُمَا فَهُوَ أَحَبُّ إِلَيْنَا**" اگر ایک ہی چلّو میں کلّی اور ناک میں پانی ڈالنے کو جمع کر دیا جائے، تو جائز ہے اور اگر دونوں کو الگ الگ کر دیا جائے، تو وہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔ (**سنن ترمذی: حدیث نمبر ۲۸**) اور احناف کے نزدیک دونوں طرح جائز ہے، لیکن الگ الگ پانی لینا افضل اور زیادہ صحیح ہے۔ (**انوار الباری: ج۷: ص ۵۱۵**)

حدثنا الحسين بن إسحاق التستري، ثنا شيبان بن فروخ، ثنا أبو سلمة الكندي، ثنا ليث بن أبي سليم، حدثني طلحة بن مصرف، عن أبيه، عن جده،: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم توضأ فمضمض ثلاثا واستنشق ثلاثا، يأخذ لكل واحدة ماء جديدا، وغسل وجهه ثلاثا، فلما مسح رأسه قال: هكذا، وأومأ بيده من مقدم رأسه حتى بلغ بهما إلى أسفل عنقه من قبل قفاه۔ (**المعجم الكبير للطبرانی: جلد ۱۹: صفحہ ۱۸۰**) یہی وجہ ہے کہ ابن الصلاحؒ نے اس روایت کی سند کو حسن اور حافظ المغربؒ نے '**أصح**' کہا ہے، جس کے حوالے گزر چکے۔

[18] روایت یہ ہے: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ، أَنَا الرَّبِيعُ عَنِ الْحَسَنِ، أَنَّهُ كَانَ يُفْرِدُ الْمَضْمَضَةَ مِنَ الِاسْتِنْشَاقِ۔ (**مسند ابن الجعد: صفحہ ۴۶۰، حدیث نمبر ۳۱۵۹**، واسنادہ حسن)

مسئلة القدر المفروض مسحه من الرأس

مفتی ابن اسماعیل المدنی

زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ وضو میں چوتھائی حصہ کا مسح فرض ہے، یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ (**ہدایۃ المسلمین: صفحہ ۱۴**) اسی طرح اسی مسئلہ کے بارے میں سلفیوں کے وکیل رئیس ندوی سلفی لکھتے ہیں کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ (**رسول اللہ ﷺ کا صحیح طریقہ نماز: صفحہ ۱۰۲**) شیخ عبد الرحمن عزیز کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے۔ (**صحیح نماز نبوی: ۴۵**)

الجواب:

یہ اعتراض ہی مردود ہے، کیونکہ قرآن پاک کی سورہ مائدہ کی آیت نمبر: ٦ میں "**وامسحوا بروؤسکم**" ہے۔ (یعنی ب کے ساتھ ہے) نہ کہ **وامسحوارؤسکم**۔(بغیر ب کے)۔اس میں ب تبعیض یعنی بعض کے معنی پر دلالت کرنے کے لئے آیا ہے، اور یہی بات ابو المحاسن الرویانیؒ (**م ۵۰۲ھ**)، فقیہ ابو الحسین یحی العمرانیؒ (**م ۵۵۸ھ**)، امام ماوردیؒ (**م ۴۵۰ھ**)، اور امام ابو بکر الجصاصؒ (**م ۳۷۰ھ**) وغیرہ کہی ہے۔ (**بحر المذہب للرویانی ج:۱ص:۹۳، البیان للعمرانی ج:۱ص:۱۲۵، الحاوی الکبیر ج:۱ص:۱۱۵، شرح مختصر الطحاوی للجصاص ج:۱ص:۳۱۷**) معلوم ہوا کہ کلام پاک میں پورے سر کا نہیں، "**بائے تبعیض**" آنے کی وجہ سے سر کا بعض حصہ مراد ہے۔لیکن چونکہ بعض سے مراد کتنا حصہ ہے، یہ ذکر قرآن میں نہیں، اس لئے فقہائے کرام نے اس آیت کو سر کے مسح کی فرض مقدار کے تعلق سے مجمل قرار دیا ہے۔

اور وضو میں چوتھائی حصہ کے مسح کو فرض قرار دینے کے بعد، امام ابو الحسین احمد بن محمد القدوریؒ (**م ۴۲۸ھ**) فرماتے ہیں:
"**لماروی المغيرة بن شعبة أن النبي صلى الله عليه وسلم أتى سباطة قوم فبال وتوضأ ومسح على ناصيته وخفيه**" جیسا کہ مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کچھ لوگوں کے کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ پر تشریف لائے، پیشاب کیا، پھر وضو فرماتے ہوئے، پیشانی اور موزے پر مسح کیا۔ (**مختصر القدوری: صفحہ ۱۱**)

اسی طرح امام ابو بکر جصاص الرازیؒ (**م ۳۷۰ھ**) نے بھی یہی روایت پیش فرمائی ہے۔ (**شرح مختصر الطحاوی: جلد ۱: صفحہ ۳۱۷**) یہ روایت **صحیح مسلم: صفحہ ۷۲۵، حدیث نمبر ۶۳۳** پر موجود ہے۔

غور فرمایئے، اس میں پیشانی پر مسح کرنے کا ذکر ہے اور امام الحسین القدوریؒ فرماتے ہیں کہ "**وهو ربع الرأس**" وہ چوتھائی سر (کے حصہ کے برابر) ہے۔ (**مختصر القدوری: صفحہ ۱۱**)

اسی طرح **صحیح مسلم: صفحہ ۲۷۵، حدیث نمبر ۶۳۴** میں روایت موجود ہے کہ **"مسح النبي صلی اللہ علیہ وسلم مقدم رأسه"** آپ ﷺ نے سر کے اگلے حصہ پر مسح کیا، جس سے معلوم ہوا کہ پورے سر کا مسح فرض نہیں ہے۔ امام ابو بکر جصاص رازیؒ فرماتے ہیں کہ: **"فدل أن المفروض منه هذا القدر"** لہٰذا اس روایت سے معلوم ہوا کہ مسح میں فرض یہ مقدار (یعنی سر کا اگلا حصہ) ہے۔ **(شرح مختصر الطحاوی: جلد ۱: صفحہ ۳۱۷)** جو کہ چوتھائی سر (کے حصہ کے برابر) ہوتا ہے، الامام الفقیہ برھان الدین مرغینانیؒ **(م ۵۹۳ھ)** [**صدوق، فقیہ، حافظ**][19] بھی فرماتے ہیں کہ: **"والمفروض في مسح الرأس مقدار الناصية وهو ربع الرأس"** سر کے مسح میں فرض مقدار پیشانی کی مقدار ہے اور وہ چوتھائی سر (کے حصہ کے برابر) ہے۔ **(الهدایۃ للمرغینانی: صفحہ ۱۵)**

لہٰذا کتاب وسنت کی روشنی میں معلوم ہوا کہ وضوء میں سر کے مسح میں فرض مقدار پیشانی کی مقدار ہے اور وہ چوتھائی سر (کے حصہ کے برابر) ہے۔ مزید اقوال کے لئے دیکھئے **ص: ۱۲۹۔**

اعتراض نمبر ۱:

زئی صاحب لکھتے ہیں کہ عمامہ والی روایت (یعنی مغیرہ بن شعبہؓ والی روایت) عمامہ کے ساتھ ہی مختص ہے، اسلئے منکرینِ مسح عمامہ کا اس سے استدلال صحیح نہیں ہے۔ **(ہدایۃ المسلمین: صفحہ ۱۴)**

الجواب:

یہ اعتراض ہی مردود ہے، کیوں کہ حدیث کا صحیح مطلب سب سے زیادہ فقہاء کرام جانتے ہیں۔ امام ترمذیؒ **(م ۲۷۹ھ)** فرماتے ہیں کہ **"كَذَلِكَ قَالَ الفُقَهَاءُ وَهُمْ أَعْلَمُ بِمَعَانِي الحَدِيثِ"** اسی طرح فقہاء کہتے ہیں اور وہ حدیث کے معنیٰ کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ **(سنن ترمذی: حدیث نمبر ۹۹۰)** اور چوتھائی مسح کے سلسلہ میں ہم نے اسی حدیث کے تحت **ثقہ، صدوق** فقہاء کرامؒ کے حوالے دیئے ہیں، لہٰذا علی زئی صاحب کا اعتراض مردود ہے۔

---

[19] حافظ ابو محمد عبد القادر القرشیؒ **(م ۷۷۵ھ)** آپؒ کو 'شیخ الاسلام، الامام الجلیل، العلامۃ المحقق' کہتے ہیں، امام ذہبیؒ صاحب ہدایہ کو "العَلاَّمَةُ، عَالِمُ مَاوَرَاءَ النَّهْرِ، شیخ الحنفیۃ، شیخ الاسلام" قرار دیتے ہیں، صلاح الدین الصفدیؒ **(م ۷۶۴ھ)** امام، شیخ الحنفیہ مرغینانیؒ کہتے ہیں، **(الجواهر المضیئۃ للقرشی: جلد ۱: صفحہ ۴، صفحہ ۳۸۳، تاریخ الاسلام: جلد ۱۲: صفحہ ۱۰۰۲، سیر أعلام النبلاء: جلد ۲۱: صفحہ ۲۳۲، جلد ۲۳: صفحہ ۱۱۳، الوافی بالوفیات: جلد ۲۰: صفحہ ۱۶۵)**

اور خود علی زئی صاحب ایک سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ: نماز کی حالت میں سلام اور اس کا جواب، رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، اور آپ کی وفات کے بعد صحابہ کرامؓ سے بھی۔۔۔۔ جب نماز میں سلام کا جواب جائز ہے، تو دورانِ خطبہ بطریق اولیٰ سلام کا جواب جائز ہے۔ **(فتاویٰ علمیہ: جلد ۱: صفحہ ۴۴۵)** اسکین ملاحظہ فرمائے

كتاب الصلوة 445

دورانِ خطبہ میں سلام کا جواب دینا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں۔

(اشفاق احمد)

الجواب نماز کی حالت میں سلام اور اس کا جواب، رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور آپ کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی۔ دیکھئے صحیح مسلم (۵۴۰)، سنن ابی داود (۹۲۷)، السنن الکبریٰ للبیہقی (ج ۲ ص ۲۵۹) اور مصنف ابن ابی شیبہ (ج ۲ ص ۷۴) وغیرہ

جب نماز میں سلام کا جواب جائز ہے تو دورانِ خطبہ میں بطریق اولیٰ سلام کا جواب جائز ہے۔ [شہادت، جون ۲۰۰۱ء]

حالتِ خطبہ میں دو رکعت نماز

سوال درج ذیل الفاظ سے مشہور حدیث کے بارے میں تحقیق درکار ہے:

" إذا صعد الخطيب المنبر فلا يتحدثن أحدكم ومن يتحدث فقد لغا ومن لغا فلا جمعة له، أنصتوا لعلكم ترحمون "

اس حدیث کی تحقیق کے تحت مسئلہ کی تحقیق و مدلل وضاحت بھی فرمادیں۔

جزا کم اللہ خیراً. (ذکاء الرحمٰن ذکی (درجہ سابعہ) دار العلوم تقویۃ الاسلام، اوڈانوالہ، ضلع فیصل آباد)

الجواب یہ روایت مجھے حدیث کی کسی کتاب میں سند کے ساتھ نہیں ملی۔

اسے شیخ عبدالمتعال (بن محمد) الجبری نے اپنی کتاب "المشتهر من الحديث الموضوع والضعيف والبديل الصحيح" میں ذکر کیا ہے۔

(۱۶۸، وموسوعۃ الاحادیث والآثار الضعیفۃ والموضوعۃ ج ۱ ص ۵۰۳ ح ۱۶۲۵)

شیخ البانی رحمہ اللہ نے فرمایا: "باطل، قد اشتهر بهذا اللفظ على الألسنة وعلق على المنابر ولا أصل له" یہ روایت باطل ہے۔ یہ زبانوں پر مشہور ہے اور منبروں پر اسے لکھ کر لٹکایا جاتا ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

(سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ ۱/۱۲۴ ح ۸۷)

اس بے اصل اور موضوع روایت کے دو شاہد (تائید والی روایتیں) ہیں:
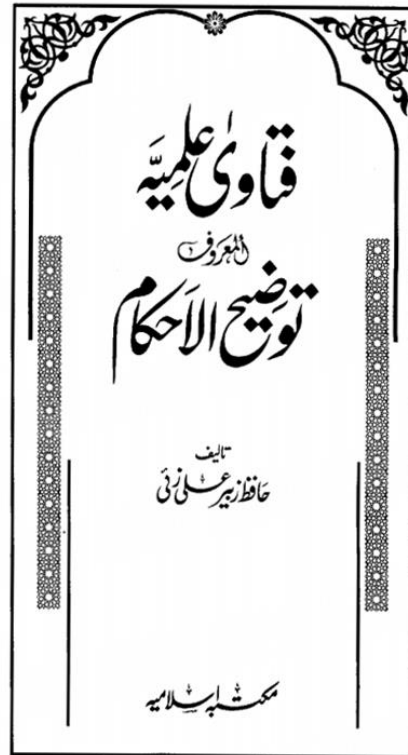
اہم نکتہ:

علی زئی صاحب کے نزدیک جب عمامہ والی روایت عمامہ کے ساتھ ہی مختص ہے، تو انہی کے اصول کے مطابق نماز میں سلام والی روایت بھی نماز پر ہی مختص ہو گی۔

لیکن افسوس ایسے دھوکہ تحقیق کے نام ہوتے ہیں، اور علی زئی صاحب نے نماز کے دوران سلام والی روایت سے خطبہ کے دوران سلام کے مسئلہ میں بھی استدلال کیا۔

جب علی زئی صاحب کا اپنا استدلال ان کے نزدیک صحیح ہے، تو ان فقہاء وائمہ جن کی عدالت پر محدثین کی گواہیاں موجود ہیں، ان کا مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت سے استدلال کیوں صحیح نہیں ہو سکتا، پھر محدثین نے صراحت بھی کی ہے کہ فقہاء حدیث معنیٰ کو زیادہ جانتے ہیں۔ الغرض علی زئی کا یہ اعتراض باطل ومردود ہے۔

نوٹ:

عمامہ پر مسح کے مسئلہ پر تفصیل آگے آرہی ہے۔[20]

اعتراض نمبر۲:

رئیس ندوی سلفی صاحب لکھتے ہیں کہ: مفتی نذیری کی دونوں مستدل حدیثوں میں صراحت ہے کہ آپ ﷺ نے مقدم سر کے مسح کے ساتھ عمامہ کا بھی مسح کیا تھا۔ اگر صرف مقدم مسح کافی ہے، تو عمامہ پر مسح فعل عبث ہوا، خصوصاً اس صورت میں کہ مفتی نذیری عمامہ پر مسح ناجائز مانتے ہیں۔ (**صحیح طریقہ نماز: صفحہ ۱۰۱**)

الجواب:

مقدم سر ہمارے فقہاء کے نزدیک سر کا چوتھائی حصہ ہوتا ہے۔ اس پر مسح کرنے سے فرض مقدار ادا ہو جاتی ہے، لیکن سنت پورے سر پر مسح کرنے سے ادا ہوتی ہے۔ اس میں ہمارے علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ یہاں نبی کریم ﷺ نے چوتھائی سر پر مسح کیا، تاکہ فرضیت ادا ہو جائے اور باقی سر پر موجود عمامہ پر بھی مسح کیا تاکہ سنت بھی ادا ہو جائے، یہ قول شیخ الہندؒ اور حافظ علامہ انور شاہ کشمیریؒ وغیرہ کا ہے۔ (**العرف الشذی، معارف السنن، دیکھئے ص ۱۲۸**) اور جمہور علماء کی رائے میں چوتھائی سر پر مسح کے بعد عمامہ پر مسح جائز ہے۔ لیکن اس سے سنت ادا نہیں ہوگی۔ لہٰذا رئیس صاحب کا احناف کے حوالہ سے اسے فعل عبث کہنا باطل ومردود ہے۔

پھر جس صورت کی طرف رئیس صاحب نے خاص طور سے اشارہ کیا، یعنی صرف عمامہ کے مسح پر اتفاق کرنا اور سر کے مقدم حصہ پر مسح نہیں کرنا، جیسا کہ غیر مقلدین کا مذہب ہے، تو اس صورت کو صرف ہم ہی ناجائز نہیں کہتے، بلکہ یہ حضور ﷺ کے احادیث کے بھی خلاف ہے۔ جس کی تفصیل عمامہ پر مسح کے مسئلہ میں آرہی ہے۔

---

[20] دیکھئے **ص:۱۱۸**

نیز، رئیس صاحب نے **صفحہ ۱۰۲** پر صحیح بخاری سے حضرت عبد اللہ بن زیدؓ کی روایت نقل کی ہے، جس میں پورے سر کے مسح کا ذکر ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں سنت طریقہ کا ذکر ہے، جس کے ہم بھی قائل ہیں۔

لیکن صحیح مسلم کی روایت میں آپ ﷺ نے صرف سر کے مقدم حصہ پر ہی مسح کیا، اگر پورے سر کا مسح فرض ہوتا تو آپ ﷺ صرف مقدم حصہ پر کبھی اکتفاء نہیں کرتے، لیکن آپ کا صرف سر کے مقدم حصہ پر مسح کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اتنے حصہ پر مسح کرنے سے فرض ادا ہو جائے گا۔ لہذا اس مسئلہ غیر مقلدین کا ابن زیدؓ کی روایت سے استدلال باطل و مردود ہے۔